کچھ بھولی بسری باتیں ۔ قسط (۳)

اگر کوئی علاقہ سیلاب کی لپیٹ میں آجائے۔ یا خدا نخواستہ کہیں آتش زدگی کا واقعہ پیش آجائے۔ تو انسانی جانوں کے بعد مال متاع میں درجہ بدرجہ سب سے قیمتی اشیاء کے تحفظ کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً جائداد کی دستاویزات اور ضروری کاغذات، نقدی وغیرہ۔ مستورات، زیورات اور قیمتی پارچات کو سمیٹ لیں گی۔ مرد اگر دیہاتی زمیندار ہے، تو بیلوں کی جوڑی، گائے بھینس کو سنبھالے گا۔ گندم کی بوریوں کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ اہل علم اپنی الماریوں اور کتابوں کے لئے فکر مند ہوگا۔ (۱) وغیرہ وغیرہ

جب برصغیر پاک و ہند پر انگریز کا منحوس سایہ آیا۔ تو سلطنت اور دولت تو گئی ہی تھی دین بھی جاتا ہوا نظر آیا۔ کمپنی کے دور اقتدار میں مسٹر میکالے کی صدارت میں کمیٹی نے نئی تعلیمی پالیسی تیار کی۔ اس کے درج ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے ..... جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔"

۱۸۵۷ء کا معرکہ پیش آیا تو اگرچہ کسی منصوبہ بندی کے تحت وقوع میں نہیں آیا تھا۔ تاہم علماء حق کی ایک بڑی جماعت نے اس کا ساتھ دیا یہ سوچ کر کہ شاید اس طرح کمپنی کا راج ختم ہو جائے۔ مگر ہوا یہ کہ دلی کے شہزادے کوتاہ اندیش ثابت ہوئے۔ پنجاب کے جاگیرداروں اور سندھ کے وڈیروں نے انگریزوں سے پورا پورا تعاون کیا۔

حاشیہ (۱) غالباً ۱۹۵۱ء کی بات ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد صادق صاحب بہاول پوری رحمۃ اللہ علیہ، محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور کے دفتر میں مفتی کی مسند پر تشریف فرما تھے۔ راقم الحروف حاضر خدمت تھا۔ کسی نے (غالباً مولانا محمد صدیق ولی اللہی) نے حضرت کو خبر سنائی کہ پشاور کے فلاں کتب خانہ میں آگ لگ گئی ہے اور بیشتر کتابیں جل گئی ہیں۔ حضرت الاستاذ کے فوراً آنسو آگئے اور فرمایا کہ وہ تو بڑا عمدہ کتب خانہ تھا۔ وہاں حضرت امام محمد کی مبسوط کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ اور بھی کئی نادر مخطوطات تھے۔ ایک عالم کی نگاہ میں کتابوں اور کتب خانوں کی جو اہمیت ہو سکتی ہے۔ حضرت الاستاذ کے آنسو اس کا اظہار کر رہے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں دریائے چناب میں زبردست سیلاب آیا تھا۔ جب اوچ شریف کے شمالی سمت بم مار کر پانی کو راستہ دیا گیا تا کہ ہیڈ پنجند بچ جائے۔ تو دریا کا پانی اوچ سے ہوتا ہوا چنی گوٹھ، لیاقت پور، خان پور کی تحصیلوں کو ڈبوتا ہوا رحیم یار خان اور صادق آباد تک پہنچ گیا۔ حضرت مولانا حبیب اللہ گمانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قائم فرمودہ مدرسہ انوریہ طاہر والی، پانی کے بہاؤ میں واقع تھا۔ حضرت نے ایک بہترین کتب خانہ چھوڑا تھا جو حضرت کی یادگار تھا۔ جب سیلاب کے ایام میں راقم نے ریڈیو پر یہ خبر سنی کہ پانی طاہر والی سے گزر رہا ہے تو حضرت الاستاذ کے اتباع میں راقم کے بھی آنسو آگئے تھے کہ کتب خانہ کا ضیاع ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

بدائع فقہ کی نہایت عمدہ کتاب ہے۔ امام سرخسیؒ کی مبسوط فقہ حنفی کی شاید سب سے طویل کتاب ہے، جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے، احساس ہوا کہ وہ تو حضرت گمانویؒ کی شخصیت تھی جو ایسی ایسی کتابیں وہاں چھوڑ گئی۔ آئندہ بے گھروں کے گھر بن جائیں گے۔ آثاث البیت بھی مہیا کر لیا جائے گا، مگر مبسوط اور بدائع، فتح الباری یا عینی جیسی کتابیں کس نے مدرسہ کو دینی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کارکنانِ مدرسہ کو کہ انہوں نے کتابوں کے گٹھڑیا باندھ کر انہیں درختوں سے لٹکا دیا اور یوں کتب خانہ بچا لیا گیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ علماء اور عامۃ المسلمین کی مساعی بار آور نہ ہوسکیں۔
ایک مرتبہ کسی اخبار میں ایک واقعہ پڑھا تھا کہ ریلوے لائن کے نزدیک واقع ایک گھر کا ایک صغیر السن بچہ سرکتا ہوا کہیں لائن تک پہنچ گیا۔ادھر سے گاڑی آرہی تھی۔ بچے کی ماں نے دیکھا تو بھاگ کر بچے کو بازو سے پکڑا اور اسے دور پھینک دیا۔ مگر خود ہوا کے جھٹکے سے لقمہ اجل بن گئی۔ یوں اس خاتون نے اپنی جان اپنے لخت جگر پر وار دی۔
۱۸۵۷ء کے بعد ایک طرف تو مطلب پرستوں اور خود غرض لوگوں کی وہ جماعت تھی جس کا نعرہ (Slogan) یہ تھا۔

"چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی"

دوسری طرف حق پرستوں کی وہ جماعت تھی جس نے اللہ کے قرآن کو سینوں سے لگایا۔ دنیوی آسائش و راحت کو خیر باد کہا۔ روکھا سوکھا کھا کر، موٹا جھوٹا پہن کر وقت گزارا۔ مگر دین اور علم دین کی حفاظت پر اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ آج کی فرصت میں ہم ایسے ہی چند بندگان خدا کا تزکرہ کرتے ہیں۔ ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ والوں نے کیونکر اسلام کی لاج رکھ لی۔

حضرت مولانا عبد القادر لدھیانوی:

لدھیانہ، پنجاب کا ایک مشہور شہر ہے۔ جس کے نامور سپوت حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی گزرے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد مولانا مرحوم تھوڑے عرصہ کے لئے بہاول پور میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ اس وقت مولانا کے والد مولانا محمد زکریا بھی حیات تھے۔ راقم الحروف اکثر و بیشتر حضرت کے ہاں حاضری دیا کرتا تھا۔ بعد میں مولانا یہاں سے بھارت چلے گئے تھے۔ (۲)

حضرت مولانا عبد القادر لدھیانوی، مولانا حبیب الرحمن کے پردادا تھے۔ حضرت نے تحصیل علم، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے قائم کردہ "مدرسہ رحیمیہ" میں کی تھی۔ درج ذیل واقعہ پر راقم نے کم و بیش ۳۰،۳۲ سال کتاب "رئیس الاحرار" میں پڑھا تھا۔ یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن کے صاحب زادے مولانا عزیز الرحمن جامعی کی تصنیف ہے۔ راقم کے پاس اس وقت یہ کتاب موجود نہیں ہے۔ ایک عرصہ ہوا، ایک محترم بزرگ نے مطالعہ کے لئے لی تھی۔ ان کی غفلت سے کتاب ان سے بھی جاتی رہی۔ واقعہ یوں ہے۔

پنجاب کے گورنر نے ڈپٹی کمشنر لدھیانہ سے کہا کہ ہم مولانا عبد القادر لدھیانوی کو ہائی کورٹ کا جج مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے اس بارے میں بات کی جائے۔ چنانچہ ڈی سی نے حضرت سے بات کی۔ حضرت نے جواب دیا کہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ میں تراویح میں قرآن مجید سنا رہا ہوں۔ اسے درمیان میں نہیں چھوڑ سکتا۔ ڈی سی نے

حاشیہ (۲)۔ یہ واقعہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا بہاول پور سے کیوں واپس چلے گئے تھے۔ مولانا کا تعلق بیعت حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ سے تھا۔ ایک روز مولانا کو حضرت کا خط ملا کہ آپ جس حال میں بھی ہوں، فی الفور وہاں سے چلے آئیں۔ چنانچہ مولانا بہاول پور سے چلے گئے۔ بعد میں مولانا کے عقیدت مندوں کو معلوم ہوا کہ بہاول پور میں ان کے قتل کی سازش تیار ہوچکی تھی۔ مولانا مغرب کی نماز روزانہ جامع مسجد میں ادا فرماتے تھے، فارغ ہو کر گلی کوچوں سے اپنی رہائش گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ تو ایسے وقت کہیں یہ منصوبہ عمل میں لایا جاتا۔ اب مولانا بھی اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں۔ ان کے جملہ بہی خواہان اور عقیدتمند اور مخالفین بھی۔ اللہ سب کی لغزشوں سے عفو و درگزر فرمائے۔ (آمین)

واپسی اطلاع دی۔ گورنر نے کہا اچھا کوئی بات نہیں رمضان کا مہینہ ختم ہو تو پھر بات کرنا۔ عید کے بعد ڈی سی دوبارہ آگیا۔ حضرت نے فرمایا میری طرف سے چند شرطیں ہیں:

۱) میں عدالت کے کمرے میں نہیں بیٹھوں گا۔ فصل خصومات کا کام مسجد میں سرانجام دیا کروں گا۔

۲) کسی نماز کے وقت نہ کوئی مقدمہ سنوں گا نہ فیصلہ کروں گا۔

۳) میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو نہیں کروں گا جمعہ کے روز کیا کروں گا۔

ڈی سی نے یہ شرطیں گورنر تک پہنچادیں۔ اس نے کہا: تمام شرطیں منظور ہیں۔ ڈی سی نے پھر حضرت سے بات کی کہ حکومت آپ کی تمام شرطیں تسلیم کرتی ہے۔ اب حضرت نے جواب دیا: میں نے شرائط اس خیال سے لگائی تھیں کہ انگریزی گورنمنٹ انہیں تسلیم نہیں کرے گی اور یوں میری جان چھوٹ جائے گی۔ اب مجھے کھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں انگریز کی ملازمت قبول نہیں کرسکتا۔ کل کو قیامت کے میدان میں اگر مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ عبدالقادر کیا تم نے علم دین اسی لئے حاصل کیا تھا کہ انگریز کی چاکری کرے؟ تو میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اس لئے اب میری طرف سے دو ٹوک انکار ہے۔ آج کے زراندوزی اور خود غرضی کے دور میں شاید یہ سوچنا بھی مشکل ہوگا کہ ایک بندۂ خدا اپنی آخرت کو بچانے کے لئے یوں دنیوی منفعت قربان کرسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے ان نیک بندوں کو جن کی بدولت برصغیر میں دین اور علم دین قائم رہے۔ سطور بالا میں کہیں "مدرسہ رحیمیہ" کا ذکر آیا ہے۔ یقیناً بعض قارئین اس کے نام سے متعارف ہونگے۔ مگر موقعہ محل کی مناسبت سے چند سطور یہاں اس کے بارے میں سپرد قلم کی جاتی ہیں:

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد تھے۔ آپ کا شمار وقت کے بلند ترین علماء میں ہوتا تھا اور صرف عالم ہی نہیں نہایت جلیل القدر عارف باللہ بھی تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف میں جن علماء کرام نے حصہ لیا تھا۔ ان میں حضرت ممدوح بھی شامل تھے۔ حضرت دہلی میں علوم دینیہ کی ایک عظیم درس گاہ قائم فرمائی تھی۔ جو مسلسل ڈیڑھ سال تک گراں قدر خدمات انجام دیتی رہی۔ اسی کا نام بعد میں "مدرسہ رحیمیہ" بنا۔ یہیں سے شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے قابل فخر اولاد و احفاد پڑھ کر نکلے۔ مجلہ "علم و آگہی" کراچی، ۷۵-۱۹۷۴ء کا ایک خصوصی شمارہ "برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" کے عنوان سے نکلا تھا۔ اس میں حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب کا ایک مضمون "مدرسہ رحیمیہ" کے عنوان پر ہے۔ چند جملے اس کے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

"یہ مدرسہ صرف درس گاہ نہیں تھا بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا۔ اسے ایک خانقاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں کردار بنائے جاتے تھے۔ یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے۔ اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی۔ اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن، تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے۔ اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیاز مندانہ اور عاجزانہ حاضری دی۔ پانی پت کا تاریخی معرکہ کارزار اسی مدرسے کے ایک رکن رکین حضرت شاہ ولی اللہ کا برپا کیا ہوا تھا۔ سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن سرفروشوں کی محاذ آرائی ہوئی۔ (سید احمد شہید بریلوی، شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے رفقاء) وہ اسی مدرسے، اور اسی

خانقاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے۔ جزائر انڈمان کی کئی قبروں میں اسی دبستان فکر و عمل کے مستفیدین و متعلمین محو خواب راحت ہیں۔"

یہ ہے مختصر سوانح مدرسہ رحیمیہ کے معلمین اور متعلمین کی، آج برصغیر پاک و ہند میں جہاں بھی علم کی کوئی کرن نظر آتی ہے۔ یہ اسی شمع کی ضیاپاشیوں کے طفیل ہے۔ جو کم و بیش اڑھائی سو سال پیشتر دہلی کے مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے روشن کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کے طفیل ہم گنہگاروں کو اپنے فضل و کرم سے ممنون فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم رام پوری:

درج ذیل واقعہ ہم، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں من و عن نقل کرتے ہیں:

"ایک بزرگ مولانا عبدالرحیم صاحب رام پوری (م ۱۲۴۳ھ) تھے۔ روہیل کھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر ہاکنس نے ان کو بریلی کالج کی تدریس کے لئے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ کی پیش کش کی اور وعدہ کیا کہ تھوڑی مدت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہوجائے گی۔ انہوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ملتے ہیں۔ وہ بند ہوجائیں گے۔ ہاکنس نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے پچیس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اس حقیر رقم کی کیا پروا ہوسکتی ہے۔

انہوں نے اس کے بعد یہ عذر کیا کہ مرے گھر میں بیری کا ایک درخت ہے۔ اس کی بیری بہت میٹھی ہے اور مجھے مرغوب ہے۔ بریلی میں وہ بیری کھانے کو نہیں ملے گی۔ ظاہر میں انگریز اب بھی ان کے دل کی بات نہیں پاسکا۔ اس نے کہا کہ رام پور سے آنے کا انتظام ہوسکتا ہے۔ آپ بریلی میں بیٹھے ہوئے بھی اپنے گھر کی بیری کھاسکتے ہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رام پور میں درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہوجائے گا۔ اور میں ان کی خدمت سے محروم رہ جاؤں گا۔ انگریز کی منطق نے اب بھی ہار نہیں مانی۔ اس نے کہا کہ وظائف مقرر کرتا ہوں وہ بریلی میں آپ سے اپنی تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں۔

آخر اس مسلمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا۔ جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

فرمایا: یہ سب صحیح ہے لیکن انگریز کی نوکری میں تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق میں قیامت میں اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ ہندوستان کے فاتح نے اب اپنی شکست تسلیم کرلی"۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۴۴)

آگے بڑھنے سے پہلے رک جائیے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیئے کہ ہمارے اسلاف نے کیسی کیسی قابل تقلید مثالیں چھوڑی ہیں۔

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری:

"دجالی فتنہ اور سورہ کہف" کے نام سے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کا ایک نہایت بلند پایہ مقالہ موجود ہے۔ اس مقالہ میں انہوں نے نہایت عمدہ نکات جگہ جگہ بیان کئے ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کے قصہ سے بڑے ہی عجیب و غریب نکات پیدا کئے ہیں۔ اسی ضمن میں وہ فرماتے ہیں کہ جس دور میں یار لوگ "مولویوں" کو

اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا رہے تھے...... مثلاً ایک نامور شاعر نے کہا:

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل
نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چلانے کے قابل

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ مولویوں کا طبقہ ایک نابکار گروہ ہے۔ جو نہ تو سرکاری ملازمت کے قابل ہے۔ نہ اور کسی کام کے لائق۔ حتیٰ کہ پلّے داری یا گلہ بانی کے قابل بھی نہیں ہے۔ اس دور میں جن خضر خیال بزرگوں نے اجر و مزد کے خیال سے بالکل بے نیاز ہو کر اللہ کے دین اور علم کو سینوں سے لگایا انہی کی گراں قدر مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج اس گئے گزرے دور میں اللہ کا نام لینے والے موجود ہیں۔ اس ضمن میں علامہ گیلانی نے مثال دیتے ہوئے لکھا ہے:

"مثلاً حضرت الاستاذ مولانا انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ نے دیکھا کہ جب دیوبند میں حدیث کا درس وہ بغیر کسی تنخواہ کے برسوں سے دے رہے تھے۔ اس زمانہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کی صدارت ہزار روپے ماہوار تنخواہ کے ساتھ پیش ہوئی۔ لیکن یہی نہیں کہ خاموشی کے ساتھ انہوں نے اس کو مسترد کر دیا۔ بلکہ ایک زمانہ تک خود اراکین کو بھی اس کی خبر نہ ہوئی۔" (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، افادات گیلانی نمبر، صفحہ ۱۸۹، اشاعت ماہ جولائی ۱۹۵۷ء)

دورِ حاضر، لوٹ کھسوٹ کا دور ہے۔ انسان کے دل و دماغ کی تمام تر توانائیاں اس کے شکمی مسائل کی نذر ہو چکی ہیں۔ کسی نے چار حرف کے علم پڑھ لیے ہیں۔ تو اس نے اپنے علم کو نیلام پر چڑھا رکھا ہے۔ اگر کسی کو دو حرف بولنا آ گیا ہے تو وہ شہباز خطابت بن کر اپنی "تقریر دلپذیر" کی بولی لگا رہا ہے۔ شاید آج کا نوجوان اندازہ نہ لگا سکے کہ ماضی میں علماء حق نے کیسی کیسی قربانیاں دے کر دین اور دینی اقدار کا تحفظ کیا۔ یہ داستان بڑی طویل ہے۔ بطور مشتے نمونہ از خروار، چند واقعات لکھ کر ہم قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ اپنی جستجو اور طلب سے علماء ہند و پاک کی تاریخ کو بھی حصہ دیں۔

فروری ۱۹۷۶ء کے "سیارہ ڈائجسٹ" میں جناب غلام جیلانی کا ایک مضمون "شاہ ولی اللہ" کے عنوان سے آیا تھا۔ اس کے اخیر میں ایک پیراگراف بڑا دلچسپ ہے۔ راقم الحروف کو کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ مولانا تقی الامینی ندوی کی کسی کتاب میں بھی اس قسم کی عبارت دیکھی تھی۔ اب یہ توارد ہے یا نقل، اللہ بہتر جانتا ہے۔ البتہ اس ڈائجسٹ کے بعد بعض اخبارات میں بھی یہ پیراگراف دیکھا گیا تھا، جو یقیناً مضمون نگار کی طرف سے اصل مقالہ نگار کا نام لیئے بغیر نقل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اہل قلم کے اس قسم کے علمی سرقوں سے درگذر فرمائے۔ اب آپ وہ جملے پڑھیئے۔

"ملت کی تاریخ میں علماء و صوفیاء کے کارنامے نہایت شاندار اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ باد سموم کی لپیٹ کا مقابلہ کر کے اسلام کی نشر و اشاعت اور معاشرتی صلاح و فلاح کا تسلسل

قائم رکھا ہے۔ اگر یہ علماء و صلحاء نہ ہوتے تو نہ اسلام کی صحیح تعلیم اجاگر ہوتی اور نہ اسلامی معاشرہ کے خدوخال نمایاں ہوتے۔ اس بناء پر مسلم قوم فطرتاً ان سے عقیدت و محبت رکھنے پر مجبور ہے۔ نہ حکومت کی طاقت اس کو روک سکتی ہے اور نہ کسی طبقہ کا حسد اس کو باز رکھ سکتا ہے۔

قیامت کے دن جب حفاظت دین کے متعلق باز پرس ہوگی اور اس سلسلہ میں ایثار و قربانی اور کارگزاری سننے سنانے کا وقت آئے گا۔ تو یہی بوریا نشین، حضور خدا میں سامنے آکر کہیں گے: یا ربّ العالمین! جب اپنوں نے غیروں سے آشنائی کی تھی اور روح و جسم دونوں مرہون ہو گئے تھے۔ جب غیروں نے مکین و مکان پر منظم حملہ کیا تھا اور دل و دماغ دونوں مجروح ہو چکے تھے۔ جب باد سموم کے تیز و تند جھونکے نبوت کی شمع کافوری کو گل کر رہے تھے اور شمع بجھ بجھ کر جل رہی تھی تو ایسے نازک وقت میں اگر ہم سے اور کچھ نہ ہوسکا تو غیروں کی دشمنی مول لے کر ملت کی رکھوالی کی۔ اپنوں کے طعنے سن کر شمع نبوت کی حفاظت کی۔ دوسروں کی پیش کش ٹھکرا کر اجڑے آشیانے کی یاد تازہ رکھی، حتیٰ کہ اپنی تسلی کی اور سامنے سے کسی کو ساغر و مینا اٹھانے نہ دیا۔

طائفۂ حق کی یہ آن اور حفاظت دین کی یہ شان ایسی ہے کہ جس پر ملت کی تاریخ ہمیشہ فخر کرے گی اور دنیا و آخرت میں ان کے سر کو بلند رکھے گی۔''

ابن امیر شریعت حضرت پیرجی

سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

کے تبلیغی و تنظیمی اسفار

۱۰ ستمبر	بھل ضلع بھکر
۱۱ ستمبر	کروڑ لعل حسین، ضلع بھکر
۱۲ ستمبر	چنی گوٹھ، ضلع رحیم یار خان
۱۳ ستمبر	اسلام پور ضلع رحیم یار خان
۱۴، ۱۵ ستمبر	(قیام) ملتان
۱۶، ۱۷ ستمبر	(قیام مدرسہ) ربوہ
۱۸ تا ۲۰ ستمبر	درس قرآن، راولپنڈی
۱۹ ستمبر	خطبہ جمعہ راولپنڈی
۲۱ تا ۲۳ ستمبر	(قیام مدرسہ) ربوہ
۲۵ تا ۲۷	چکڑالہ، تلہ گنگ
۲۶ ستمبر	خطبہ جمعہ تلہ گنگ
۲۸ تا ۳۰ ستمبر	(قیام مدرسہ) ناگڑیاں ضلع گجرات
یکم اکتوبر	شانِ مصطفی ﷺ کانفرنس، محمدیہ ناگڑیاں ضلع گجرات
۳ اکتوبر	خطبہ جمعہ چک نمبر ۱۷ جنوبی مظفر آباد، سرگودھا